OPEN ACCESS
Al-Aẓvā الاضواء
ISSN 2415-0444 ;E 1995-7904
Volume 36, Issue, 56, 2021
www.aladwajournal.com

معاہدہ نکاح میں خواتین کا اختیار

Women's Right in Marriage Contract

Hafiza Shahida Parveen
Associate Professor, Institute of Islamic Studies
University of the Punjab, Lahore, Pakistan

KEYWORDS

Love marriage; family life; Right to Marry; code of life; rights of spouses.

Date of Publication:
31-12-2021

Abstract

Family is an essential need of every human being, without which no one can survive properly. Islam provides detailed guidelines to make family unit by a bond called NIKĀH. Islam assures that family life should be developed on strong, durable, and energetic basis, in this regard, it gives the right of choice to both spouses. The consent of each partner is considered compulsory, so this couple may bring forth a blissful relationship in society. If personal life is satisfied than he or she can play role in the upbringing of beautiful society, and a disturbed person cannot play well. In Islam, marriage bond is legalized by witness and Walī. This study will focus to highlight the Women's Right in the Marriage Contract and analyses the different opinion about this issue and will suggest the best one in contemporary era.

شادی انسانی زندگی کی بنیادی ضرورت ہے اسلام وہ دینِ کامل ہے جس نے زندگی کی ہر ضرورت کا جواب دیا ہے اور ایسا جامع اور مکمل ضابطہ حیات فراہم کیا ہے جو ہر دور میں انسان کی ہر میدان میں رہنمائی کرتا ہے۔ خاندان اسلامی معاشرے کا بنیادی ادارہ ہے اور زوجین اس ادارے کی تشکیل کی ابتدائی کڑی ہیں۔ اسلام نکاح کے ذریعے اس ادارے کی تاسیس کا حکم دیتا ہے اور نکاح سے قبل زوجین کی پسند ناپسند کو اہمیت دیتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ادارہ زوجین کے درمیان عدم ہم آہنگی کی بنا پر اپنا بنیادی کردار ادا کرنے میں ناکام رہتا ہے اور ناپسندیدہ شخص کے ساتھ زندگی گزارنا اور نباہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے اس لیے اسلام نے شادی میں فریقین کی پسند کی رعایت کی ہے تاہم اس فرق کو ملحوظِ خاطر رکھنا انتہائی ضروری ہے کہ اسلام فرار کی شادی کی حوصلہ افزائی ہرگز نہیں کرتا اور نہ یہ طریقہ اسلام کا مطلوب ہے بلکہ یہ ادارہ خاندان کی بنیادوں کو ہلا دینے کے مترادف ہے۔ عصرِ حاضر میں روابط میں سہولت کی بنا پر بچے اپنے والدین کو یکسر نظر انداز کر کے شادی کے بندھن میں بندھ رہے ہیں اور اکثر یہ بندھن کچے دھاگے کی مانند ٹوٹ رہے ہیں یا پسند کی شادی کے نتیجے میں قتل کی وارداتوں میں اضافہ ہو رہا ہے اور بعض والدین بچوں کے اس بنیادی حق کی ادائیگی میں کوتاہی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اس پیپر میں یہ جائزہ لیا جائے گا کہ اسلام اس ضمن میں کیا حدود متعین کرتا ہے اور عصرِ حاضر میں ان حدود پر عمل کیا جا رہا یا نہیں؟ اس کے معاشرے پر کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں؟

شریعت اسلامیہ نے نکاح میں سرپرست (ولی) اور خاتون دونوں کی رضامندی کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے۔ ”اگر کسی سبب سے دونوں میں اختلافِ رائے پیدا ہو جائے تو سرپرست (ولی) کو چاہیے کہ وہ خاتون کو زندگی کی اونچ نیچ اور تلخ و شیریں کی آگہی دے کر اس کی رائے بدلنے کی کوشش کرے، اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر سرپرست (ولی) کو خاتون اس کی رضامندی کے ساتھ اس کی پسند کی جگہ کرنا چاہیے۔ اس طرح شریعت نے ایسی متوازن اور معتدل راہ اختیار کی ہے جس میں کسی بھی فریق کے نہ تو حقوق پامال ہوتے ہیں نہ ہی کسی فریق کا استحقار یا استخفاف پایا جاتا ہے۔“[1] ولی جب اپنے اختیارات میں افراط سے کام لیتا ہے تو جبری شادیاں، قرآن سے شادی، ونی کی رسوم اور دیگر بے شمار زیرِ ولایت کے استحصال کی صورتیں سامنے آتی ہیں اور شاید اس کا ایک نتیجہ فرار کی شادیاں بھی ہیں۔ جب زیرِ ولایت اپنے اختیارات میں تفریط کی طرف مائل ہو جائے تو چوری چھپے کے معاشقے، گھر سے فرار اور بڑوں کی عزت روندنے کے کئی دلخراش مناظر عدالتوں یا گلی بازار میں دکھائی دیتے ہیں۔ شاید ایسے ہی مناظر سے اکتائی ہوئی امریکی خاتون اوّل ہلیری کلنٹن پاکستان کے دورے پر آئیں تو اسلام آباد کالج فار گرلز کی طالبات سے گفتگو کرتے ہوئے انتہائی حسرت آمیز لہجہ میں ان خیالات کا اظہار کیا کہ امریکہ کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہاں طالبات اور

لڑکیاں بغیر شادی کے حاملہ بن جاتی ہیں۔ اس مسئلہ کا حل صرف یہ ہے کہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں خواہ عیسائی ہوں یا مسلم، اپنے مذہب اور معاشرتی اقدار سے بغاوت نہ کریں بلکہ مذہبی و سماجی روایات اور اصولوں کے مطابق شادی کریں اور اپنے والدین کی عزت آبرو اور سکون کو غارت نہ کریں۔"[2]

"آج کل "Love Marriages" کا رجحان ہماری نئی نسل میں بہت زیادہ بڑھ گیا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ ہمارا الیکٹرانک میڈیا، رومانوی ناول، میگزین، بچوں کا مخلوط تعلیمی ماحول اور مغربی و غیر اسلامی تہذیبوں کی اندھادھند پیروی ہے۔ اسلامی تعلیمات میں "Love Marriages" کا بالکل بھی تصور نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات اس کو سختی سے منع کرتی ہیں۔ ایک عورت کا غیر محرم کے ساتھ بیٹھنا منع ہے۔ اگر "محبت" کو شادی کی بنیاد بنائیں گے تو بہت کمزور بنیاد ہوگی۔ شادی سے پہلے تو یہ محبت اپنے عروج پر ہوتی ہے لیکن شادی کے بعد ایک دوسرے سے لگائی گئی توقعات پوری نہیں ہوتی ہیں۔ دونوں فریقین باہمی غلطیوں اور کوتاہیوں کو صرف شادی کے لئے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ مگر شادی کے بعد جب جذبات ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں اور ذمہ داریوں کا بوجھ کندھوں پر آن پڑتا ہے تو ایک دوسرے کی وہی غلطیاں اور کوتاہیاں جن سے پہلے صرفِ نظر کی جاتی ہے وہ بعد میں ناقابل برداشت ہو جاتی ہیں۔ پھر باہمی تعلقات خراب ہوتے ہیں یہاں تک کہ نوبت طلاق تک پہنچ جاتی ہے۔ پسند کی شادی میں یہ جوڑا اکثر و بیشتر خاندان سے کٹ جاتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں بے جوڑ شادی، ذہنی ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے زبردستی کی شادی کی وجہ سے شرح ناکامی اور طلاق روزبروز بڑھتی جارہی ہے جو یقیناً ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے۔"[3]

"اس وقت پاکستان میں لومیرج کی سالانہ شرح 23 ہزار ہے۔ صرف لاہور میں سالانہ 600 لڑکیاں محبت کی شادیاں کررہی ہیں۔ کراچی، حیدرآباد، لاہور، رحیم یار خاں، ملتان، سکھر، سرگودھا، اوکاڑہ غرض ہر جگہ شہروں میں صورت حال بہت گھمبیر ہے۔ لاہور کے دارالامان میں روزانہ ایک لڑکی لومیرج کرکے حدود کیس میں آتی ہے۔ یہ تعداد بسا اوقات ۴ تک بھی پہنچ جاتی ہے۔ لیکن ایسا کوئی دن نہیں گزرتا کہ لاہور کے دارالامان میں کوئی لڑکی قدم نہ رکھے۔[4] یہی وہ لمحہ فکریہ ہے جس کی طرف توجہ یہ ریمارکس دلا رہے ہیں۔

"لاہور ہائیکورٹ نے قرار دیا ہے کہ تحفظ حقوق نسواں ایکٹ نے خواتین کو آزادی تو دی ہے مگر مرضی سے شادی کرنے کی ان کی یہ آزادی 16 سال کی عمر کے بعد شروع ہوتی ہے۔ گھر سے بھاگ کر کی جانے والی شادیاں فساد کا باعث بنتی ہیں۔ خاندانوں کو بچانا ہوگا۔ ہمارے معاشرے میں کوئی کتنا ہی پڑھا لکھا کیوں نہ ہو وہ برداشت نہیں کرے گا کہ اس کی کمسن بیٹی کو کوئی بھگا کر لے جائے ان معاملات میں توازن قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ ریمارکس ایک 15 سالہ لڑکی کے گھر سے بھاگ کر کی جانے والی شادی کا فیصلہ دیتے ہوئے کہے"[5]

مولانا صدر الدین اصلاحی لکھتے ہیں:

”فرد کی معاشرتی آزادی جہاں اس حد کو پہنچی ہوئی ہو کہ نو عمر لڑکیاں تک بھی اپنی آئندہ زندگی کے معاملے میں مطلقاً خود مختار ہوں۔ نہ مذہب کی کوئی ہدایت ان کے لیے واجب التسلیم ہو۔ نہ اپنے بزرگوں کے جذبات کو خاطر میں لانے کی وہ مکلف ہوں۔ نہ ان کی بالغ نظری، دوراندیشی اور تجربہ کاری پر مبنی ان کے خیر خواہانہ مشوروں کو کوئی وزن دیتا ہو حتیٰ کہ اخلاقی اور رسمی طور پر بھی ان سے رجوع کرنے کی انہیں کوئی ضرورت نہ ہو... اور ماں، باپ، بھائی، بہن، چچا، تایا وغیرہ اعزہ کے تئیں یگانگی کے جذبات کی وہ فطری گرم جوشی باقی رہ سکے گی جو ان کے حق میں ہمدردی، مواسات اور ایثار کا قالب اختیار کرتی رہتی ہے اور اس طرح خاندانی اور معاشرتی روابط کو زندگی اور پائیداری عطا کرتی ہے۔ فرد کی اس بے قید آزادی کا نتیجہ یقیناً اس کے سوا اور کچھ نہیں نکل سکتا کہ ایک مرد اور ایک عورت سے وجود میں آنے والی ہر نئی اکائی صرف اپنی محدود ترین دنیا سے غرض رکھے اور اس دائرے سے باہر کون کس حال میں ہے، یہ دیکھنے کی کوئی ذمہ داری اس پر مطلق عائد نہ ہو۔ ظاہر بات ہے کہ جو معاشرہ ایسی خود غرض اکائیوں سے مل کر بنا ہو گا اسے اندر سے ایک پھٹا ہوا معاشرہ ہی کہا جا سکے گا۔“[6]

اس فرار کی شادیوں کی جدید ترین صورت انٹرنیٹ کے ذریعے سامنے آرہی ہے۔ انٹرنیٹ پر چیٹنگ کے ذریعے پہلے دوستی ہوتی ہے، پھر معلومات کا تبادلہ ہوتا ہے، گفتگو ہوتی ہے، اور پھر ایک دوسرے کی پسند ناپسند اور مشاغل اور دیگر سرگرمیوں کا علم ہوتا ہے۔ بعض لڑکیاں انٹرنیٹ پر چیٹنگ کے دوران شادی کے جھانسے کا شکار ہو کر اپنی زندگی نہ صرف برباد کر چکی ہیں بلکہ اپنے گھر والوں کے لیے بھی شادی سے بڑا مسئلہ پیدا کرنے کا سبب بن چکی ہیں۔[7]

شادی کا مطلب ہے خوشی اور بارات کا مطلب ہے شمع۔ مگر آج کمپیوٹر کا دور ہے جہاں سب سے پہلے بیچ والوں کا اور بزرگوں کا حق ختم ہو رہا ہے رشتہ کی چھان بین پہلے بزرگوں کے ذمے تھی اب کمپیوٹر نے یہ کام آسان کر دیا ہے۔ بیچ والے دو خاندانوں کی ملاقات کرا دیتے تھے۔ اگر بات بن جائے تو بارات دلہن کے گھر پہنچ جاتی تھی۔ اب بارات دلہن کے گھر جانے کی بجائے کمپیوٹر کی بدولت دلہن خود ہی دلہا کے گھر پہنچ کر لال جوڑا زیب تن کرتی ہے۔ 18 ستمبر کے ایک معاصر اخبار نے یہ خبر بھی دی ہے کہ سرگودھا شہر کے نواحی گاؤں میں ایک دلہن کے دعویٰ دار دو دلہے الگ الگ باراتیں لے کر پہنچ گئے۔ اس موقع پر دونوں باراتوں میں تصادم ہوا۔ لاٹھیوں، ڈنڈوں اور

کرسیوں کا آزادانہ استعمال کیا گیا۔زیدی کالونی کے رہائشیوں نے پولیس کو اطلاع دی جس نے تصادم رکوایا اور معاملہ طے نہ ہونے پر دونوں دلہوں کو زخمی باراتیوں سمیت خالی ہاتھ جانا پڑا۔[8]

ولایت نکاح لزوم وعدم لزوم ایک جائزہ

رشتہ نکاح کو نتیجہ خیز اور گھریلو زندگی کو مربوط بنانے کے لیے اسلام نے جو ہدایات دی ہیں۔ ان میں "ولایت نکاح" کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اسلام نے نکاح میں ایک طرف انسان کی ذاتی پسند اور دلچسپی کو اہمیت دی تو دوسری طرف معاشرتی قدروں کے تحفظ، اندرون خانہ اخلاقی ماحول کی تعمیر، جذبات کی بیجا اشتعال انگیزیوں پر گرفت اور دور سے دور تک دیکھنے اور سوچنے کا رجحان پیدا کرنے کے لیے ولایت نکاح کی دفعہ بھی قائم کی۔ مگر ان دونوں کے درمیان اعتدال شرط ہے۔ اعتدال مفقود ہو جائے تو گھریلو ازدواجی زندگی، بحران کا شکار ہو کر رہ جائے گی۔

ولایت کا مفہوم:

ولایت کے لغوی معنی یا تو محبت اور نصرت کے ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ **وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ**[9] یا اس کے معنی اقتدار اور قدرت اور مددگار کے ہیں- **وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ**[10] عقد کرانے والے کو ولی کہتے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ**[11]

ڈاکٹر وھبہ زحیلی لکھتے ہیں:

"ولایت شرعی جیسا کہ امام نووی نے اپنی کتاب "التوقیف علی مہمات التعاریف" میں ذکر فرمایا ہے "تنفيذ القول على الغير، شاءالغير ام ابى "[12] یعنی دوسرے پر قول کو نافذ کرنا، دوسرا چاہے یا نہ چاہے یا اس کا مفہوم ہے "القدرة على مباشرة التصرف من غير توقف على اجازة احد" یعنی دوسرے کی اجازت پر توقف کے بغیر کسی تصرف پر قادر ہونا"[13] "الولايه هى تنفيذ الامرعلى الغير "[14] یعنی دوسرے پر تنفیذی قوت کے حصول کا نام ولایت ہے۔ احناف کے ہاں ولایت کی تین اقسام ہیں: ولاية النفس، ولاية المال، ولاية النفس والمال۔ یہاں نکاح کے معاملے میں زیر بحث ولایت نفس ہو گی اور ولاية النفس سے مراد یہ ہے کہ "هى الشرف على شوون القاصر الشخصية كا التزويج والتعليم، والتطبيب والتشغيل، وهى تثبت للاب والجدوسائر الاولياءِ۔ ولایۃ النفس کی دو قسمیں ہیں ولاية اجبار، ولاية اختيار [15] شوافع اور حنابلہ کے بھی یہی اقسام ہیں مالکیہ نے ولایت عامہ اور خاصہ کا نام دیا ہے۔[16]

ولایت نکاح اور فقہاء کا موقف

جس خاتون کی شادی مقصود ہوتی ہے اس کی تین حالتوں میں سے کوئی ایک حالت ہو گی۔

۱۔ یا تو وہ کم سن باکرہ (غیر شادی شدہ) ہو گی۔

۲۔ یا وہ بالغہ باکرہ ہو گی۔

۳۔ یا وہ ثیبہ (شادی شدہ) ہو گی۔

جہاں تک کم سن باکرہ کا تعلق ہے تو جمہور علماء کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے کہ باکرہ کی اجازت کے بغیر اس کے والد (ولی) کو اس کی شادی کا حق حاصل ہے۔ کیونکہ کم سن بچی کی اجازت کا کوئی معنی ہی نہیں"[17] سیدنا ابو بکرؓ نے اپنی لختِ جگر سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی شادی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چھ سال کی عمر میں کی تھی۔ اور نو سال کی عمر میں ان کی رخصتی کر دی تھی۔[18] علامہ شوکانیؒ نیل الاوطار میں لکھتے ہیں مذکورہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ بلوغت سے قبل باپ کو بیٹی کی شادی کر دینے کا پورا پورا حق ہے۔ یہی حدیث اس امر پر بھی دال ہے کہ کم سن لڑکی کی شادی بڑی عمر کے مرد سے کی جا سکتی ہے۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں اسی پر ایک باب قائم کیا ہے اور اس باب کے تحت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اسی حدیث کو ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس امر پر اجماع نقل کیا ہے۔[19] تاہم یہ امر ملحوظِ خاطر رہے کہ اس شادی میں کفو کا خیال رکھا جائے گا اور بلوغت کے بعد تو لڑکی کو خیار بلوغ کا حق حاصل ہو گا۔ اور یہ فیصلہ کرتے وقت ولی کو زیر ولایت کی بھلائی، خیر خواہی اور شفقت کو بھی مدِّنظر رکھنا ہو گا۔

اس بات کی دلیل یہ ہے کہ سیدہ عائشہؓ کی صغر سنی میں جس عظیم ہستی کے ساتھ شادی ہوئی ان سے بڑھ کر کوئی شفیق اور خیر خواہ اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ جیسا کہ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدہ عائشہؓ کے گڑیوں اور سہیلیوں کے ساتھ کھیلنے کا اہتمام کیا کرتے تھے۔[20] اسی طرح خانوادہ نبوت سے ہی ایک اور صغیرہ کے نکاح کا تذکرہ ملتا ہے جس میں ولی تسلی کرتا ہے کہ بچی کا خیال رکھا جائے گا۔ "سعید بن منصور نے حضرت علیؓ اور فاطمہؓ کی صاحبزادی ام کلثومؓ (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے قبل پیدا ہوئی تھیں) کے نکاح کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے حضرت علیؓ کے سامنے ام کلثومؓ کے ساتھ نکاح کی رغبت ظاہر کی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا ابھی وہ بہت چھوٹی ہے۔ حضرت عمرؓ فرمانے لگے۔ "اے ابوالحسن میرے ساتھ اس کا نکاح کر دو کیونکہ میں اس کی عزت و شرافت اور کرامت کا اس قدر خیال کروں گا جو دوسروں سے بعید

ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ میں اسے آپ کے پاس بھیجتا ہوں اگر آپ کو پسند ہو تو میں نے آپ کے ساتھ اس کی شادی کر دی۔"[21]

صغیرہ کے نکاح میں کس کو اختیار حاصل ہے امام مالکؒ کے نزدیک صرف باپ یا وصی کر سکتا ہے۔ امام شافعی کے نقطہ نظر کے مطابق باپ اور دادا اور احناف کے مطابق باپ اور ہر ولی کر سکتا ہے " لیکن جب وہ بالغ ہو جائے تو اسے خیار کا حق حاصل ہو گا۔" صغیرہ کے نکاح کا اختیار باپ اور دادا تک محدود کرنے کا سبب بھی یہی ہے کہ جو شفقت اور محبت اس فیصلہ کے لیے ضروری ہوتی ہے وہ ان کے علاوہ کسی اور میں نہیں پائی جاتی۔" [22]

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عصرِ حاضر میں جس طرح کچھ لوگ خواتین کے اس حق کا استحصال کرتے ہیں۔ مثلاً بچپن کی شادیاں (ونی کی صورت میں) لڑکی کی قیمت لے لینا اور زبردستی ان سے نکاح کا حق بخشوا لینا۔ کیا اس صورت میں ولی واقعی حقِ ولایت کا استحقاق رکھتے ہیں۔ (ایسے فیصلے وہی کر سکتا ہے جس میں محبت اور خیر خواہی کے چشمے خشک ہو چکے ہوں اور انا اور ہوس کی ندیاں بہہ رہی ہوں) کیا ایسی جبری شادیوں کے خلاف زیر ولایت کہیں آواز اٹھا سکتی ہے؟ کسی عدالت اور قاضی کے ہاں رسائی کا تو شاید سوال تک پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ اس کی سسکیاں اور آہیں شاید حویلیوں کی اونچی دیواروں کے کانوں میں محفوظ ہوں۔ اگر کسی طرح ہمت کر کے وہ خیار بلوغ حاصل بھی کر لے تو کیا اس معاشرے میں اس کے دوبارہ نکاح کا امکان ہو گا؟ شاید عدالت سے گھر واپسی تک کا سفر اس کا آخری سفر ہو گا؟ عصرِ حاضر میں ولایت کے اختیار سے تجاوز کرنے والوں کے لیے یہ شرط کافی ہو گی اگر اس پر عمل ہو جائے۔ علامہ ابن المنذر فرماتے ہیں کہ تمام اہلِ علم جن سے ہم نے علم اخذ کیا ہے۔ ان کا اس امر پر اجماع ہے کہ والد اپنی کمسن لڑکی کی شادی کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس نے شادی میں کفو کا لحاظ رکھا ہو اگر وہ لڑکی کم سن نہیں تو پھر اس کو قطعی اختیار حاصل نہیں، فقہاء کے مابین اس مسئلے میں اختلاف ہے۔[23]

باکرہ بالغہ اور ولایتِ نکاح

باکرہ بالغہ عورت کی شادی اس کی رضامندی اور اجازت کے بغیر نہیں کی جا سکتی اور اس کی خاموشی کو اجازت تصور کیا جائے گا۔ کیونکہ ارشادِ نبوی ہے "لَاتُنكَحُ البِأُ كربحَتّٰى تُستَاذَنُ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَكَيفَ اذنهَا قَالَ: اِذَاسَكَتَت"[24] باکرہ عورت کی شادی اس کی اجازت حاصل کئے بغیر نہیں کی جا سکتی صحابہ کرامؓ نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس کی کیسے اجازت حاصل کی جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس کی خاموشی اس کی اجازت ہے۔

لڑکیوں کے نکاح کے بارے میں حتی الوسع سوچ سمجھ کر فیصلے کرنے کی تاکید کرتے ہوئے اس بات کو ضروری قرار دیا کہ والدہ کا مشورہ اس فیصلہ میں ضرور شامل کیا جائے کیونکہ عموماً وہ لڑکی کے رجحان طبع اور پسند کے بارے میں زیادہ علم رکھتی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "اٰمِرُوا النِّسَاءَ فِي بَنَاتِهِنَّ"[25] "عورتوں سے ان کی لڑکیوں کے بارے میں مشورہ لو۔ لہٰذا اہلِ علم کے صحیح قول کے مطابق باکرہ عورت سے اس کی شادی کی رضامندی اور اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔ خواہ اس کی شادی کرنے والا اس کا والد ہی کیوں نہ ہو۔[26] علامہ ابن القیمؒ الهدی النبوی میں لکھتے ہیں: "جمہور سلف، امام ابو حنیفہ اور امام احمدؒ کا ایک روایت کے مطابق یہی قول ہے۔ یہی ہمارے نزدیک بھی راجح ہے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا قول ہم اختیار نہیں کرتے کیونکہ یہی نبی کریم ﷺ کے فرمان امر و نہی کے مطابق و موافق ہے۔"[27] شادی شدہ عورت کی دوسری شادی بھی اس کی اجازت کے بغیر نہیں کی جا سکتی۔ البتہ اس کی اجازت صریح الفاظ ہاں یا ناں میں حاصل کی جائے گی۔"[28] امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں: "کسی شخص کو حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی عورت کی شادی اس کی اجازت حاصل کیے بغیر کسی سے کر دے۔ یہی رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے۔ اگر عورت کسی شخص سے شادی کو ناپسند کرتی ہے تو اسے اس شخص سے شادی پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ ولی الامر کو اس شخص کے متعلق خوف الٰہی اور تقویٰ کو مدِّ نظر رکھنا ضروری ہے جس سے وہ اپنی لڑکی کی شادی کرنے جا رہا ہے اور اس امر کی بھی رعایت ضروری ہے کہ کیا لڑکی کا کفو بن سکتا ہے یا نہیں؟ لڑکی کی مصلحت اور اس کے مفاد کو پیشِ نظر رکھ کر اس کی شادی کرنی چاہیے نہ کہ اپنے مفاد اور اپنی مصلحت کی خاطر کسی بھی شخص کے ساتھ شادی کرنی چاہیے۔[29]

لڑکی کی شادی میں ولی الامر کی شرط

شریعتِ اسلامیہ نے جہاں عورت کو اپنے موافق و مناسب شوہر کے انتخاب و اختیار کا حق دیا ہے۔ وہاں اس کو اس بات کی مکمل چھوٹ اور آزادی نہیں دی کہ جس سے چاہے وہ شادی کر سکتی ہے۔ خواہ اس کی شادی کی وجہ سے اعزاء و اقربا اور اہل خاندان کی عزت و آبرو خاک میں ہی کیوں نہ مل جائے۔ بلکہ اس کے حق کو ایک حد تک ولی کے ساتھ مربوط کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں فقہاء کے دو موقف ہیں:

پہلا موقف جمہور کا ہے۔

ان النكاح لا يصح الابولی ولا تملك المراة تزويج نفسها ولا غيرها ولاتوكيل غير وليها فی تزويجها فان فعلت لم يصح النكاح۔ صحابہ میں سے یہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ، ابوہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ سے منقول ہے اور سعیدؒ بن مسیب، حسنؒ عمرؒ بن عبد العزیز، جابر ابن زید، سفیان ثوری، ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ، ابن

المبارک، امام شافعی اور امام مالک کا ہے۔ ابن سیرین، قاسم بن محمد، امام ابو یوسف نے اس کو ولی کی رضامندی کے بغیر جائز قرار نہیں دیا بلکہ اولیاء کی مرضی پر موقوف رکھا ہے۔[30]

دوسرا موقف احناف کا ہے۔ "احناف کے نزدیک عورتوں کی عبارت سے نکاح منعقد اور صحیح ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ وہ نکاح کفو میں ہو اور مہر مثل پر ہو۔ پس اگر وہ غیر کفو میں کرے گی تو اس کے ولی کو اس نکاح پر اعتراض کر کے قاضی کے ذریعہ نکاح کو فسخ کرانے کا حق حاصل ہے۔[31] جمہور نے بھی اپنے موقف کے لیے قرآن و سنت سے استدلال کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤمِنُوا[32]

اس آیت میں نکاح میں فعل متعدی (انکح) کا صیغہ ہے اور اس سے مراد اولیاء ہیں۔

امام قرطبیؒ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں۔ فی هذه الآية دليل بالنص على ان لانكاح الابولی[33] یہ آیت بطورِ نص اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح ولی کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں۔ امام ابن حزم فرماتے ہیں: هذا خطاب للاولياء لاللنساء[34] آیت میں یہ خطاب عورت کے اولیاء کو ہے نہ کہ عورتوں کو۔

قرآنِ کریم کی دوسری آیت ہے: وَانكِحُوالايَامَى مِنكُم[35] تمہارے اندر جو بے شوہر ہیں ان کے نکاح کر دو۔ امام بغوی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ بے شوہر عورتوں کی شادی کا بندوبست کرنا اولیاء کی ذمہ داری ہے۔ اس لیے کہ اس معاملے میں اللہ تعالیٰ نے ان ہی سے خطاب فرمایا۔ جیسے غلاموں اور لونڈیوں کی شادی ان کے آقاؤں کی ذمہ داری ہے.... اور یہی اکثر اہلِ علم صحابہ مابعد کے لوگوں کا قول ہے۔[36] امام شوکانیؒ فرماتے ہیں: "آیت میں خطاب اولیاء سے ہے۔ بعض کے نزدیک خاوندوں سے ہے لیکن پہلی بات زیادہ راجح ہے اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ عورت اپنا نکاح خود نہیں کر سکتی۔[37]

قرآن کریم کی تیسری آیت یہ ہے کہ وَاِذَا طَلَّقتمُ النِّسَاءَ فَبَلَغنَ ا جَلَهُنَّ فَلَا تَعضُلُوهُنَّ ان يَّنكِحنَ ازوَاجَهُنَّ[38] جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو تم ان کو اپنے سابقہ خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو۔

امام شافعیؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں "میں نہیں جانتا کہ یہ آیت اس مفہوم کے علاوہ کسی اور مفہوم کا احتمال بھی رکھتی ہے۔ اس لیے کہ جو اولیاء روکنے کا سبب بن سکتے ہیں کیونکہ نکاح ان ہی کی رضامندی سے پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے۔ ان کو اس بات سے منع کر دیا گیا ہے کہ وہ عورت کو سابقہ خاوند سے شادی کرنے سے روک دیں۔ اور یہ

قرآن میں جو کچھ ہے اس سے بالکل واضح ہے کہ عورت کے مقابلے میں ولی کا حق فائق ہے اور ولی پر فرض ہے کہ جب عورت رضامند ہو تو اسے دستور کے مطابق نکاح کرنے سے نہ روکے۔[39]

امام ابن جریر طبری فرماتے ہیں "اس آیت سے صاف واضح ہے کہ ان لوگوں کی رائے صحیح ہے جو کہتے ہیں کہ ولی کے بغیر نکاح کرنا جائز نہیں۔[40] یہ آیت معقل بن یسارؓ کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب انہوں نے اپنی بہن کو اپنے پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح کرنے سے روک دیا تھا۔ یہ واقعہ امام بخاری نے نقل ہے [41]اگر اس کے بھائی کو نکاح رکوانے کا اختیار نہ ہوتا تو اسے یہ کیوں کہا جاتا کہ وہ نکاح کرنے سے نہ روکے۔[42]امیر صغانیؒ فرماتے ہیں: " نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں صحابہ (سلف) نے اس واقعہ سے یہی بات سمجھی ہے کہ اولیاء کی اجازت ضروری ہے اور انہوں نے اس قسم کا کفارہ ادا کرنے اور نکاح کر دینے کی طرف اگر اولیاء کا اختیار ہی نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے کھول کر بیان فرما دیتا.... اس لئے کہ اگر اس آیت سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سمجھتے کہ عورت ازخود اپنا نکاح کر سکتی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس آیت کے نزول کے بعد اس عورت کو خود اپنا نکاح کر لینے کا حکم فرما دیتے اور اس کے بھائی پر یہ واضح فرما دیتے کہ تجھے اس پر ولایت کا حق نہیں ہے اور اس کے لیے اپنی قسم کا توڑنا اور اس کا کفارہ ادا کرنا جائز نہ ہوتا۔[43]

چنانچہ امام قرطبیؒ زَوَّجنکَهَا[44] کے تحت فرماتے ہیں۔"یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عام لوگوں کے لیے نکاح میں ولی کی اجازت ضروری ہے" [45]

حدیث مبارکہ ہے: لَا نِكَاحَ الَّا بِوَلِیٍّ [46]ولی کے بغیر نکاح صحیح نہیں۔ اس حدیث کی اسنادی تحقیق اور تفصیل محمد ناصر الدین البانی نے بیان کی ہے اور راویوں کو صحیح قرار دیا ہے۔[47]سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا"

ایما امرَاۃٍ نَكَحَت بِغَيرِاذنِ وَلِيّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِل فَنِكَاحُهَابَاطِل فَنِكَاحُهَا بَاطِل[48] جس عورت نے ازخود اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو اس کا نکاح باطل ہے۔ اس کا نکاح باطل ہے۔ اس کا نکاح باطل ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "کوئی عورت، عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ کوئی عورت اپنا نکاح خود کرے۔[49]

احناف نے اپنے موقف کے لیے ان دلائل سے استدلال کیا ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

فَاِذَا بَلَغنَ اجَلَهُنَّ فَلَا جَنَاحَ عَلَيكُم فِيمَا فَعَلنَ فِی اَنفُسِهِنَّ بِالمَعرُوفِ[50] اس آیت میں عورت کا خود اپنا نکاح کرنے کا اختیار ثابت ہوتا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے: فَاِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَه من بعدحَتّٰى تَنكِحَ زَوجاً غَيرَه [51] اس آیت میں نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی گئی۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ اگر مرد اس کو طلاق دے دے تو ان دونوں پر مراجعت کرنے میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ وہ خیال کرتے ہوں کہ وہ اللہ کے حدود کو قائم رکھ سکیں گے۔ یہی مضمون ایک اور آیت میں بھی بیان ہوا ہے۔[52]" اس پر یہ معارضہ کیا جاتا ہے کہ ان میں ثیبہ کا ذکر ہے اول تو یہاں عمومی ذکر ہے۔ باکرہ اور ثیبہ کا فرق نہیں کیا گیا۔ دوسرے باکرہ کا علیحدہ کہیں ذکر نہیں لہذا اس کا اطلاق باکرہ پر بھی ہو گا۔

جہاں تک سورہ نور ۲۳ نمبر آیت میں ایامیٰ کا ذکر ہے۔ اس میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں اگر مرد ولی کے بغیر نکاح کر سکتا ہے؟ تو عورت کیوں نہیں کر سکتی؟ اور جہاں تک حدیث کا تعلق ہے تو اس میں صراحت کے ساتھ اس کی اجازت کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ مولانا شمس الدین پیرزادہ لکھتے ہیں۔ اور جب باکرہ کی اجازت ضروری قرار پائی تو ولی کی رضامندی کہاں لازم قرار پائی؟ اگر ولی کی رضامندی کو بھی لازم قرار دیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر باکرہ کو ایک رشتہ پسند ہو اور ولی اس پر رضامند نہ ہو تو کیا اس کو نکاح سے روک دیا جائے گا؟ اگر روک دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ولی کی رضامندی کے بغیر باکرہ کا نکاح ہو ہی نہیں سکتا۔ ایسی صورت میں باکرہ کی اجازت یا رضامندی ہی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ کیونکہ کبھی ولی راضی ہو گا تو باکرہ راضی نہیں ہو گی اور اگر باکرہ راضی ہو تو ولی راضی نہیں ہو گا۔ ظاہر ہے اسلام عورتوں کے لیے ایسی مشکلات پیدا کرنا نہیں چاہتا جن کے نتیجہ میں وہ شادی سے محروم رہیں اور اس محرومی کی مثالیں موجودہ معاشرہ میں دیکھنے میں آتی ہیں اس لیے ولی کی رضامندی کو شرط قرار دینا خلاف مصلحت ہے۔" [53]

ان واقعات سے بھی اس نقطہ نظر کی تائید ہوتی ہے۔ نسائی نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے۔ کہ کنواری لڑکی کا نکاح اس کے والد نے کر دیا جو اسے ناپسند تھا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لڑکی کو اختیار دیا کہ چاہے تو اس نکاح کو قبول کرے یا رد کر دے۔[54]

علامہ ابن ہمام نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ (۴) خنساء بنت خذام سے روایت ہے کہ وہ ثیبہ تھیں اور ان کے والد نے ان کا نکاح کر دیا جو انہیں پسند نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نکاح کرد کر دیا۔[55] نسائی کی روایت میں ہے کہ وہ کنواری تھیں۔[56] امام ابو حنیفہ نے کہا کہ باکرہ، بالغہ اور عاقلہ اپنا نکاح خود کر سکتی ہے۔ مگر ایسا کرنا خلاف مستحب ہے"[57] خلاف مستحب کے لفظ سے ظاہر ہے کہ اس کی وجہ سے لڑکی گنہگار نہیں ہو گی۔ البتہ اس طریقہ کار کی حوصلہ افزائی نہیں کی جائے گی۔ جہاں تک اس حدیث "ولی کے بغیر نکاح نہیں" کا تعلق ہے اس

کے راوی شریک بن عبداللہ کے بارے میں متعدد محدثین کہتے ہے کہ وہ سیئی الحفظ ہیں اور بہ کثرت غلطیاں کرتے ہیں۔ نسائی اور دار قطنی کہتے ہیں وہ قوی نہیں ہیں۔ [58] اس حدیث کی اسناد دوسرے طریقہ پر بھی ہے جس کے ایک راوی اسرائیل ہیں جن کے بارے میں محدثین کی مختلف آراء ہیں۔ بعض محدثین نے انہیں ضعیف کہا ہے اور ابن حزم نے ان کی کئی حدیثیں رد کر دی ہیں۔ [59] تیسرے طریقہ کی اسناد میں ابو عوانہ ہیں جن کا اصل نام وضاح بن عبداللہ یشکری ہے۔ ان کے بارے میں متعدد محدثین کی رائے یہ ہے کہ وہ جب لکھی ہوئی حدیث پیش کرتے ہیں تو صحیح ہوتی ہے لیکن جب یادداشت سے بیان کرتے ہیں تو بکثرت غلطیاں کرتے ہیں ابو حاتم کی یہی رائے ہے۔ ابن مدینی کہتے ہیں کہ ان کی حدیث میں عجیب و غریب باتیں ہوتی ہیں۔ [60]

چوتھے طریقے کی اسناد میں یونس بن ابی اسحاق ہیں جن کے بارے میں علی ابن المدینی سے منقول ہے کہ وہ شدید غفلت برتتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل ان کی حدیث کو ضعیف قرار دیتے تھے۔ ابو حاتم کہتے ہیں وہ سچے ہیں لیکن ان کی حدیث کو حجت کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا [61] جن صحابہ سے یہ روایت بیان کی گئی ہے اس میں حضرت عائشہؓ کا نام بھی ہے۔ جب کہ حضرت عائشہؓ نے اپنی بھتیجی کا نکاح اس کے باپ عبدالرحمن کی غیر موجودگی میں کر دیا تھا۔ اگر وہ اس حدیث کی راوی ہوتیں تو اپنے بھائی کا انتظار کئے بغیر اس کی لڑکی کا نکاح کیسے کر دیتیں۔ [62]

دوسری حدیث "ولی کے بغیر کیا گیا نکاح باطل ہے" کے بارے میں امام ترمذی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ مگر ان کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس میں بھی متعدد پہلوؤں سے کلام کی گنجائش ہے۔ [63] اولاً یہ حدیث عنعنہ کے ساتھ مروی ہے جس کے ایک راوی امام زہری ہیں اور جب امام زہری سے اس روایت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے انکار کر دیا۔ [64] اس لیے امام زہریؒ کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں۔

ثانیاً: اس کے ایک راوی سلیمان بن موسیٰ اموی ہیں جن کے بارے میں محدثین کے مختلف اقوال ہیں۔ امام بخاری کہتے ہیں "ان کے پاس منکر حدیثیں ہیں" نسائی کہتے ہیں وہ فقیہہ ہیں لیکن حدیث میں قوی نہیں۔ ابن مدینی کہتے ہیں ان کا حافظہ موت سے پہلے خراب ہو گیا تھا۔ [65]

ثالثاً: اس کے ایک راوی ابن جریج ہیں لیکن تدلیس کیا کرتے تھے اور انہوں نے ستر عورتوں سے متعہ کیا تھا اور وہ اس کو جائز سمجھتے تھے۔ احمد بن حنبل کہتے ہیں ابن جریج کی بعض مرسل حدیثیں موضوع ہوتی ہیں۔ [66] دار قطنی کہتے ہیں وہ بری طرح تدلیس کیا کرتے تھے۔ ابن حبان نے ان کا ذکر ثقہ راویوں میں کیا ہے۔ [67]

رابعاً یہ حدیث حضرت عائشہ سے مروی ہے وہ اپنی بیان کردہ حدیث کے خلاف عمل نہیں کر سکتیں۔

خامساً: اس حدیث میں ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کو باطل بھی کہا گیا اور مہر بھی لازم کیا گیا۔ باطل نکاح میں مہر کا کیا سوال؟ ایسی صورت میں تعزیر لازم آجاتی مگر حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔

سادساً: اس حدیث میں باکرہ کی صراحت نہیں اس لیے اس کا اطلاق ثیبہ پر بھی ہو گا۔ جبکہ ثیبہ کو بدون ولی نکاح کی اجازت ہے۔ ان وجوہ سے یہ حدیثِ ضعیف حجت نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس حدیث کو بلا اجازت ولی باکرہ کے نکاح کو باطل قرار دینے کی دلیل بنانا صحیح نہیں۔"[68]

ایک استدلال حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث مرفوع سے کیا گیا ہے جس کو ابن ماجہ اور دار قطنی نے روایت کیا ہے۔ لا تزوج المراة المراة ولا تزوج المراة نفسها کہ عورت کسی عورت کی شادی نہیں کر سکتی اور نہ عورت خود اپنی شادی کر سکتی ہے۔ یہ روایت کئی طرق سے منقول ہے۔ طبرانی، دار قطنی، ابن عدی اور اسحاق بن راہویہ نے اس کو حضرت جابر، عمران بن حصین، ابن عمر، حضرت علی، حضرت انس وغیرہ صحابہ سے بھی نقل کیا ہے۔ مگر حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی تمام سندوں کو لغو اور واہی قرار دیا ہے۔[69]

حضرت علیؓ بن ابی طالب سے منقول واقعہ میں ہے کہ ایک خاتون نے بیٹی کی مرضی سے اس کا نکاح کر دیا۔ نکاح کے بعد اس لڑکی کے اولیاء کو معلوم ہوا تو انہوں نے حضرت علیؓ کی عدالت میں اپنا مقدمہ پیش کیا تو آپ نے اس نکاح کو جائز قرار دیا۔ یہ فیصلہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ کوئی عورت اپنا نکاح خود کرے یا ولی کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو یہ حکم دے کہ وہ اس کا نکاح کر دے اور وہ شخص یعنی وکیل اس کا نکاح کر دے تو ایسا نکاح جائز ہو گا۔[70]

عصرِ حاضر اور حقِ ولایت۔ ایک جائزہ

ولایت کے بارے میں دونوں نقطہ ہائے نظر کا جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ابن رشد قرطبی کا موقف زیادہ قرینِ قیاس ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "مسئلہ ولایت دونوں معانی کا احتمال رکھتا ہے لیکن غالب گمان یہ ہے کہ اگر شارع کا ارادہ ولایت کو لازم کرنے کا ہوتا تو اولیاء کی اقسام اصناف اور مراتب ضرور بیان کئے جاتے۔ کیونکہ وقت ضرورت سے بیان کو موخر کرنا جائز نہیں اور نبی ایسا ہرگز نہیں کر سکتے کہ معاملہ عوام الناس کو پیش آنے والا ہے یہ بات مقتضی ہے کہ شروط ولایت تواتر یا تواتر کے قریب نبی سے منقول ہوتیں حالانکہ ایسا نہیں۔ "[71]

عصر حاضر میں اگر لزومِ ولایت کو ترجیح دی جائے تو وہ اولیاء جو تقویٰ وخدا خوفی سے دور محض لالچ، جائیداد یا ظالمانہ جبر کی بناء پر اپنی زیر ولایت سے نکاح کا اختیار چھین لیتے ہیں ان کا کیا ہو گا؟ کیا وہ مجبور خواتین عدالت تک

پہنچنے، دعویٰ دائر کرنے اور اس پیچیدہ و مشکل عدالتی کارروائی کی متحمل ہو سکیں گی؟ کیا وہ اپنے اولیاء سے مخالفت مول لے سکیں گی؟ جبکہ عدالتوں کو از خود کارروائی کا بھی اختیار نہیں ہے۔ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے پر اولیاء کی ناراضگی اور انتقام سے وہ کس طرح محفوظ رہ سکیں گی؟ انہیں اس جائز حق کے طلب پر کون تحفظ دے گا؟ دوسری طرف اگر عدمِ لزوم ولایت کو ترجیح دی جائے تو اسلام کا عائلی نظام اندرونی اور بیرونی بے شمار تحدیات کی زد میں ہے۔ لڑکے اور لڑکیاں جو محض چند دن کی پسند کے نتیجے میں پورے خاندان کی پسند اور عزت کو نظر انداز کرکے اپنی زندگی کے فیصلے خود کر رہے ہیں۔ (جن کا نتیجہ عموماً تباہی یا خاندان کی چھاؤں سے محرومی کی صورت میں نکلتا ہے) اور فرار کی ان شادیوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔ ہمیں اپنے عائلی نظام کو انارکی کے اس بڑھتے ہوئے مہیب دیو سے کس طرح محفوظ کرتا ہے۔ ایسا ہی ایک معاملہ اس کیس میں سامنے آیا جو 18 اپریل 1996ء کو حافظ عبدالوحید روپڑی بنام مس عاصمہ جہانگیر ہائی کورٹ میں دائر ہوا۔ تفصیلات کے مطابق مس صائمہ بنت عبدالوحید نے جو بی اے کی طالبہ تھی۔ اپنے بھائی کے ٹیوٹر سے 26 فروری 1996ء کو والدین سے خفیہ نکاح کر لیا۔ اس نکاح کی اطلاع والدین کو 9 مارچ 1996ء کو ملی۔ گھر والوں نے اس نکاح کو ختم کرنے پر زور دیا۔ لڑکی نے فرار ہو کر عاصمہ جہانگیر کے ادارہ میں پناہ لے لی۔ عدالت نے اس کیس کا فیصلہ 10 مارچ 1997ء کو سنایا۔ تین ججز پر مشتمل بنچ (جس میں جسٹس احسان الحق چوہدری، ملک محمد قیوم اور جسٹس خلیل رمدے شامل تھے) نے شادی کے جواز کا فیصلہ سنایا۔ جسٹس رمدے نے اپنا اختلافی نوٹ شادی کے عدم جواز کا دیا۔[72] اس کے بعد سپریم کورٹ میں باپ کی طرف سے اس فیصلے کے خلاف اپیل دائر کی گئی 19 دسمبر 2003ء کو سپریم کورٹ نے فیصلہ سناتے ہوئے ہائی کورٹ کے فیصلے کو برقرار رکھا۔[73]

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں ایسے معاملات میں عدالت کو کفو کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ کیا لڑکی پر واقعی جبر ہو رہا ہے؟ وہ لکھتے ہیں:

"جبر دراصل یہ ہے کہ ولی اپنے مفادات کی خاطر نوجوان بچی کے مفادات اور اس کے مستقبل کو نظر انداز کر دے۔ جیسے کوئی شخص اپنی نوجوان بچی کا نکاح کسی عمر رسیدہ شخص سے کرنے پر اصرار کرے۔ یا پیسے کے لالچ میں بے جوڑ شادی کرنا چاہے۔ یا اور اس قسم کی کوئی صورت ہو جو بچی کے لیے ناپسندیدہ ہو۔ ان صورتوں میں والد یا ولی کو جبر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اسی طرح مثلاً اگر کوئی باپ اپنی نوجوان بچی کی شادی اس لیے نہیں کرتا کہ اس کی زمین یا جائیداد تقسیم ہو جائے گی۔ یا لڑکی اچھی ملازمت کرتی ہے یا گھر میں رہ کر آمدنی والا کوئی کام کرتی ہے تو وہ اس کی شادی نہ کرے کہ وہ اس کی آمدنی اور خدمت سے محروم نہ ہو۔ ان تمام صورتوں میں ایسے ولی کو عاضل قرار

دے کر ولی ابعد یا حاکم مجاز کے ذریعے سے بچی کی شادی کا انتظام کیا جائے گا۔ اس اعتبار سے جہاں والدین اور نوجوان بچی کے درمیان شادی کے مسئلے میں اختلاف ہو یا نوجوان بچی گھر سے فرار ہو کر کسی آشنا کے ساتھ شادی کرے اور معاملہ عدالت یا پنچائیت میں پہنچے تو یہ دیکھنا ضروری ہے کہ بچی کا یہ اقدام واقعی والدین کے ناجائز جبر یا عضل کا نتیجہ ہے؟ یا بچی ناسمجھی، خودسری اور بغاوت کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ پہلی صورت میں تو یقیناً اسے والدین کے ظلم و جبر سے بچا کر اس کی شادی کا اور اگر شادی کر چکی ہو تو اس کے تحفظ کا اہتمام کرنا چاہیے لیکن دوسری صورت میں وہ قطعاً کسی امداد و تعاون کی مستحق نہیں۔ وہاں والدین کے ساتھ تعاون کرنا ضروری ہے تا کہ معاشرہ انتشار سے محفوظ رہ سکے۔"[74]

مولانا اختر امام عادل لکھتے ہیں۔ یہاں ایک بات قابل وضاحت یہ ہے کہ اگر ولی اور زیر ولایت لڑکی کے درمیان کسی دوسرے معاملے میں کوئی مقدمہ بازی یا تحصیل حق کا نزاع چل رہا ہو تو فقہاء نے اسے باہم عداوت قرار دینے سے انکار کیا ہے جس کا مقتضاء یہ ہے کہ اس سے ولایت نکاح مشتبہ نہ ہوگی لیکن آج ہمارے دور میں اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا دونوں معاملوں کو آج واقعۃً الگ الگ رکھا جا سکتا ہے؟ اور کیا آج ایک معاملہ کی مخالفت دوسرے پر اثر انداز ہوگی؟ یہ تو ہویٰ اور ہوس کا دور ہے۔ آج جنگ صرف حق کی نہیں بلکہ زیادہ تر ہوس کی ہوتی ہے۔ ایک ولی جو ایک معاملے میں زیرِ ولایت سے اختلاف رکھتا ہو۔ وہ نکاح کے معاملے میں اس مخالفت سے قطع نظر اس کا مخلص ہوگا؟ کم از کم آج کے دور میں میرے لیے یہ سمجھنا مشکل ہے۔"[75] مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کی طرف سے اس مسئلہ پر غور و فکر کی مختلف علاقوں کے علماء کو دعوت دی گئی اور لڑکیوں کے اختیار نکاح کے ضمن میں ایک اشکال سامنے رکھ کر مسئلہ زیرِ بحث کا جائزہ لیا گیا۔

وہ اشکال یہ ہے اس مسئلہ میں اگر ذرا غور و فکر سے کام لیا جائے اور سوچا جائے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ فقہاء کرام غیر کفو میں نکاح کرنے کی صورت میں جو "علت دفعا لضرر العارعن انفسهم" بیان کرتے ہیں یہ علت ایک اور جگہ بھی موجود ہے۔ وہ جگہ یہ ہے کہ مثلاً اگر کوئی لڑکی نافرمان اور فاسق ہے اور گھر سے بھاگ جاتی ہے۔ خواہ تنہا بھاگے یا کسی ہم کفو لڑکے کے ساتھ بھاگ جائے۔ پھر عدالت میں جا کر یا ویسے ہی کسی جگہ جا کر شرائط نکاح کے ساتھ گواہوں کی موجودگی میں ہم کفو کے ساتھ ایجاب و قبول کرے تو یہ نکاح عند الاحناف درست ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اس صورت میں بھی اولیاء کے لیے عار اور شرم ہے۔ بلکہ یہ حرکت اشد عار ہے لیکن کتنے ہی ایسے واقعات کہ لڑکی کسی ہم کفو کے ساتھ بھاگ جاتی ہے اور نکاح کر لیتی ہے اور اولیاء کسی بھی طرح سے علیحدگی کی صورت اختیار کرنے پر بضد رہتے ہیں اور نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ زور و زبردستی علیحدگی کرا دیتے ہیں جس کا

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لڑکی (خودکشی کرکے) زندگی سے ہی ہاتھ دھو بیٹھتی ہے۔ ایسی صورت میں جان کی طرف نظر ہو گی یا حق فسخ کی طرف؟ اس سوال کے جواب میں بشمول مولانا اسعد اللہ قاسمی، مولانا محمد روح الامین، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، مولانا محمد امین، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا محمد مصطفی قاسمی، مولانا عبدالطیف پالنپوری، مفتی جمال الدین قاسمی، مولانا تنویر عالم قاسمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا فرحت افتخار قاسمی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا ظفر عالم ندوی، 45 علماء نے اس کا جواب دیا اور اس موقف کو اختیار کیا [76] کہ "آزاد عاقلہ، بالغہ عورت کو اپنی ذات پر تصرف کا اختیار ہے یعنی وہ اپنا نکاح خود کر سکتی ہے۔ شریعت نے اس کو اپنے نکاح کا پورا اختیار دیا ہے۔ کوئی اسے منع نہیں کر سکتا۔ بشرطیکہ وہ اپنا نکاح کفو میں کرے۔ ولی کی ناراضگی کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اس کا نکاح نافذ ہو جائے گا اور عورت پر کوئی گناہ نہیں ہو گا۔ البتہ عرف میں بے حیائی سمجھی جائے گی۔"[77] علامہ انور کاشمیری کے تجزیے کے ساتھ ہم اس بحث کو سمیٹتے ہیں۔ لکھتے ہیں: "نکاح کے معاملے میں بھی روایات حدیث دو طرح سے آئی ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں سے خطاب فرمایا تو ان کو بتلایا کہ ان کے اولیاء کا ان پر کیا حق ہے۔ یہاں تک کہ یہ اندیشہ محسوس ہونے لگا کہ ان کا کوئی حق ان کے نفسوں میں نہیں ہے۔ جیسا کہ حدیث میں "بغیر ولی نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے" باطل باطل کی تکرار سے مقصود مبالغے کا اظہار اور ولی کی اجازت کی مطلوبیت کی تاکید ہے۔ اور جب آپ اولیاء کی طرف متوجہ ہوئے تو ان سے فرمایا کہ بے شوہر والی عورت اپنے نفس کی اپنے ولی سے زیادہ حقدار ہے۔" گویا اولیاء کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اس قسم کی جگہوں پر حدیث میں اجمال ہوتا ہے اور اسی میں لوگوں کا فائدہ زیادہ ہوتا ہے اور عمل کی طرف راغب کرنے میں زیادہ موثر.... پس جس شخص نے ان دونوں حدیثوں میں سے کسی ایک سے تمسک کیا تو اس نے گویا شریعت کی مراد کا نصف حصہ لے لیا۔ شارع کی مراد دونوں حدیثوں کے مجموعے میں ہے.... اس مراد پر اس کے بغیر عمل ممکن نہیں کہ اولیاء کو تاکید کی جائے کہ وہ عورتوں کی رضامندی حاصل کریں اور عورتوں کو حکم دیا جائے کہ وہ اپنے معاملے میں اولیاء کو شریک کریں پس عورتیں اولیاء کے لیے آزمائش بنیں اور نہ مرد عورتوں پر تنگی کریں۔[78]

مولانا اختر امام عادل ولایت کی حقیقی روح پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ شریعت میں نظریہ ولایت کے پیچھے جو نظریہ کام کر رہا ہے وہ دراصل یہ ہے کہ شارع کو خاتون کا اپنے نکاح کے تعلق سے خود معاملہ کرنا مطلوب نہیں ہے۔ عورت کے پاس جو فطری حیا، تستر اور ممانع ہے وہ اس بات کا مقتضی ہے کہ اپنے جنسی معاملات میں وہ خود کوئی پیش رفت نہ کرے بلکہ اپنے اولیاء (سرپرست مردوں) کو اس لیے آگے بڑھائے۔ اسی طرح بسا اوقات ان بچوں

کے نکاح کی نوبت آجاتی ہے جو ابھی دائرہ تکلیف سے خارج ہیں۔ ایسے موقع پر بھی ولی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ لیکن بعض صورتیں ایسی ممکن ہیں کہ ان میں عورتوں کو مردوں کی مناسب رہنمائی اور مدد حاصل نہ ہو اور بطور خود اس کو اقدامِ نکاح کی واقعی ضرورت پیش آجائے۔ ان حالات میں عورتیں اپنا نکاح اپنی مرضی سے خود کرنے کا قانونی حق رکھتی ہیں۔ ان کو ہر حالت میں مردوں کا بالکلیہ اسیر بنادینا۔ ان کی فطری آزادی تکلیف اور دیگر معاملات میں ان کی مالکانہ حیثیت کے خلاف ہے۔ عورت کی زندگی میں دونوں طرح کے حالات پیش آسکتے ہیں۔ اس لئے قرآن وسنت میں ہی دونوں کے مطابق ہدایات موجود ہیں۔ فقہاء نے اپنے اپنے طور پر آیات اور احادیث کا مختلف حالات پر اطلاق کیا ہے۔ مگر اس موضوع پر سب سے زیادہ توازن اور اعتدال امام ابو حنیفہؒ کے یہاں نظر آتا ہے۔[79]

مولانا مودودی لکھتے ہیں: ”اگر کوئی سرپرست (ولی) کسی خاتون کا نکاح خود کردے تو وہ عورت کی رضا پر منحصر ہوگا۔ اس کے منظور کرنے پر نکاح قائم رہے گا۔ نامنظور کرے تو معاملہ عدالت میں جانا چاہے عدالت تحقیق کرے گی کہ یہ نکاح عورت کو منظور ہے یا نہیں۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ عورت کو نکاح نامنظور ہے تو عدالت اسے باطل قرار دے گی۔ ان حالات میں عورتیں اپنا نکاح اپنی مرضی سے خود کرنے کا قانونی حق رکھتی ہیں۔ ان کو ہر حالت میں مردوں کا بالکلیہ اسیر بنادینا۔ ان کی فطری آزادی تکلیف اور دیگر معاملات میں ان کی مالکانہ حیثیت کے خلاف ہے۔ عورت کی زندگی میں دونوں طرح کے حالات پیش آسکتے ہیں۔ اس لئے قرآن وسنت میں ہی دونوں کے مطابق ہدایات موجود ہیں۔ فقہاء نے اپنے اپنے طور پر آیات اور احادیث کا مختلف حالات پر اطلاق کیا ہے۔ مگر اس موضوع پر سب سے زیادہ توازن اور اعتدال امام ابو حنیفہ کے یہاں نظر آتا ہے۔[80] شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں: ”یاد رکھو! عقد کے بارے میں عورتوں کو ان کی عقل اور سمجھ کی کمی کی وجہ سے پورے اختیار دے دینا قرینِ مصلحت وثواب نہیں۔ ان حالات میں عورتیں اپنا نکاح اپنی مرضی سے خود کرنے کا قانونی حق رکھتی ہیں۔ ان کو ہر حالت میں مردوں کا بالکلیہ اسیر بنادینا۔ ان کی فطری آزادی تکلیف اور دیگر معاملات میں ان کی مالکانہ حیثیت کے خلاف ہے۔ عورت کی زندگی میں دونوں طرح کے حالات پیش آسکتے ہیں۔ اس لئے قرآن وسنت میں ہی دونوں کے مطابق ہدایات موجود ہیں۔ فقہاء نے اپنے اپنے طور پر آیات اور احادیث کا مختلف حالات پر اطلاق کیا ہے۔ مگر اس موضوع پر سب سے زیادہ توازن اور اعتدال امام ابو حنیفہؒ کے یہاں نظر آتا ہے۔[81]

خلاصہ بحث:

خلاصہ کلام یہ کہ اسلام نے مرد و خاتون دونوں کے حقوق کا تحفظ کیا ہے، نکاح میں عورت کی پسند ناپسند کو بہت اہمیت دی ہے اس کہ وجہ یہ کہ شادی عمر بھر کا ساتھ ہے اور کسی شخص کے لیے ناپسندیدہ شخص کے ساتھ خوشگوار زندگی گزارنا ممکن نہیں ہوتا اس لئے اولیاء پر لازم ہے کہ وہ معاہدہ نکاح میں عورت کی رائے اور پسند کو نظر انداز نہ کریں۔ اور معاہدہ نکاح میں خاندان کی بہت اہمیت ہے خاندان ہی اس رشتہ کی برقراری میں اپنی ذمہ داری ادا کرتا ہے۔ زوجین کو قدم قدم پر بڑوں کی رہنمائی، محبت اور تعاون کی ضرورت ہوتی ہے لہٰذا بڑوں کے مشورے اور رائے کا احترام اس زندگی کی پائیداری کے لیے بہت ضروری ہے۔ اور بچیوں کو بھی چاہیے کہ وہ عمر بھر کا فیصلہ تنہا اور خود نہ کریں بلکہ والدین کے تجربات کے سائے میں اس زندگی کا آغاز کریں تاکہ محفوظ مستقبل ممکن بن سکے۔

حواشی و حوالہ جات

1 کیلانی، محمد اقبال، نکاح کے مسائل، حدیث پبلیکیشنز لاہور، ۱۴۱۹ھ، ص ۲۵۔

Kaylāni, Muḥammad Iqbāl, Nikāh ky Masā'il, Hadīth Publications Lahore, 1419 Hijri.

2 روزنامہ جنگ لاہور، ۲۸ مارچ ۱۹۹۵۔

Roznāmah Jang Lahore, 28th March 1995.

3 محمد اسلم زاہد، تحفہ برائے دلہن، شرکت الامتیاز لاہور، ۲۰۰۵، ص ۱۱۶

Muḥammad Aslam Zāhid, Tuḥfa baraye Dulhan, Shirkat-Al-Imtiyāz, Lahore,2005.

4 ہفت روزہ ندائے ملت، ۱۷۔ اگست ۱۹۹۷

Haft Rozah Nidā'i Millat, 17th August, 1997.

5 روزنامہ پاکستان لاہور، ۲۸ فروری ۲۰۰۷

Roznāmah Pakistan Lahore, 28th February 2007.

6 صدر الدین اصلاحی، اسلام میں نکاح کے قوانین، اسلامک پبلیکیشنز لاہور ۱۹۹۷، ص ۱۰۱

Ṣadruddīn Iṣlāhī, Islam main Nikāh ky Qawānīn, Islāmīc Publications Lahore, 1997.

7 روزنامہ پاکستان لاہور، ۱۳۔ اکتوبر ۲۰۰۷

Roznāmah Pakistan Lahore, 13th October 2007.

8 انصاف سنڈے سپیشل اتوار ۲۰۔ اکتوبر ۲۰۰۲

Inṣāf Sunday Special Itwār, 20th October 2002.

9 القرآن، سورۃ التوبہ: ۷۱۔

Al-Qur'ān, Sūrah Al-Tawbah:71.

10 البقرۃ: ۱۰۷۔

Al-Baqarah:107.

11 البقرۃ: ۲۸۲۔

Al-Baqarah:282.

12 کتاب التعریفات، ص ۲۴۴۵، البحر الرائق ۳/ ۱۱۷۷

Kitāb-ul-Ta’rīfāt, P:2445/ Al-Baḥr Al-Rā’iq,3/1177.

13 وھبہ زحیلی، ڈاکٹر، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۹/ ۶۶۹۱۳۔ عنایہ علی ھامش الھدایہ ۲/ ۲۹۳

Wahbah Zuḥaylī, Dr, Al-Fiqh Al-Islāmī wa adilla,9/66913.

14 عنایہ علی ھامش ھدایہ ۲/ ۲۹۳

Ināya Ala Hāmish Al-Hidāya, p 2/293

15 البدائع الصنائع، ۲/ ۲۴۱، الدر المختار ۲/ ۴۰۶، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۹/ ۶۶۹۲

Al-Badāi’ Al-Ṣanāi’,2/241. /al-Rad Al-Mukhtār,2/406. / Al-Fiqh Al-Islāmī wa Adilla,9/6692.

16 الفقہ الاسلامی وادلتہ ۹/ ۶۶۹۳

Al-Fiqh Al-Islāmī wa Adilla,9/6693.

17 خواتین کے دینی مسائل، ص ۱۲۶

Khawātīn ky Dīnī Masā’il, P:126.

18 بخاری، کتاب النکاح، النکاح الرجل ولدہ الصغار (ح ۵۱۳۳)، مسلم، کتاب النکاح، باب جواز تزویج الآب البکر الصغیرہ، (ح ۱۴۲۲)

Bukhārī, Kitāb-Al-Nikāh, Al-Nikāh Al-Rajul walida Al-Ṣighār (Ḥadīth: 5133),/ Muslim, Kitāb Al-Nikāh, Bāb Jawāz Tazvīj Al-ab Al-bikr Al-Ṣagīrah (Ḥadīth: 1422).

19 امام شوکانی، نیل الاوطار ۶/ ۱۲۸۔ ۱۲۹

Imām Shawkānī, Nayl Al-Awtār,6/128,129.

20 ابو داؤد، کتاب الآدب، باب اللعب بالبنات (ح ۴۹۳۲)

Abū-Dāwūd, Kitāb-Al-Adab, Bāb Al-la;ab Bi al-Banāt, (Ḥadīth: 4932).

21 الاستیعاب ۴/ ۱۹۵۵، ۱۹۵۴، اسد الغابہ ۵/ ۶۱۳، الاصابہ ۴/ ۲۷۵، طبقات ابن سعد ۸/ ۴۶۳۔ ۴۶۴

Al-Isti’āb,4/1954,1955. / Usudulgābbah, 5/213. / Al-Iṣābah, 4/275. / Ṭabqāt Ibn Saad, 8/463,464.

22 ابن رشد، بدایۃ المجتھد ۲/ ۷، ۶

Ibn Rushd, Bedāya-tul-Mujtahid, 2/6,7.

23 ابن قدامہ، المغنی ۶/ ۴۸۷

Ibn Qadāma, Al-mughnī, 6/487.

24 بخاری، کتاب الحیل، باب فی النکاح (ح ۶۹۶۸)

Bukhārī, Kitāb Al-Ḥiyal, Bāb fī Al-Nikāh, (Ḥadīth: 6968).

25 ابو داؤد، کتاب النکاح، باب فی الاستئمار (۲۰۹۵)

Abū-Dāwūd, Kitāb Al-Nikāh, Bāb fī Al-istemār, (Ḥadīth: 2095).

26 بدایۃ المجتھد ۲/ ۴، ھدایۃ ۱/ ۱۴۲، المغنی ۶/ ۴۹۱

Bedāya-tul-Mujtahid, 2/4. / Almughnī, 6/491.

27 ابن قیم، الھدی النبوی ۵/ ۹۶

Ibn Qayyim, Alhuda Alnabawī, 5/96.

28 المغنی ۶/ ۴۴۹، بدایۃ المجتھد ۲/ ۴، ھدایۃ ۱/ ۱۴۲

Almughnī, 6/449. / Bedāya-tul-Mujtahid, 2/4. / Hidāya, 1/142.

[29] ابن تیمیہ، تقی الدین احمد بن عبد الحلیم، مجموع الفتاویٰ، ۳۲ طبع بامر خادمین الحرمین شریفین مملکت سعودی عرب ۲۹/۔۳۰
Ibn Taymiyyah, Taqī ad-Dīn ʾAḥmad ibn ʿAbd-ul-Ḥalīm , Majmū' Al-fatāwa, 32 Ṭaba; Be-amar Khādemayn Al-Ḥarmayn Sharīfayn Mumlikat Saudi Arab, 29,30.

[30] ابن قدامہ، المغنی، مکتبہ الریاض الحدیثۃ الریاض، ۱۹۸۱، ۶/۴۴۹
Ibn Qadāma, Al-mughnī, Maktaba Al-Riyād Al-Ḥadītha-tul-Riyād, 1981, 6/449.

[31] ھدایہ ۱/۱۴۲، فتح القدیر ۲/۳۱۹۹
Hidāya, 1/142. / Fatḥ-Ul-Qadīr, 2/3199.

[32] البقرۃ:۲۲۱۔
Al-Baqarah:221.

[33] علامہ قرطبی، الجامع للاحکام القرآن، دار الکاتب العربیۃ للطباعۃ والنشر القاھرہ، ۳/۴۹
'Allāma Qurtabī, Al-Jāmi'-Lil-Aḥkām Al-Qur'ān, Dar Al-kātib Al-Arbia Li al-Ṭabā'ah wa Al-nashr Al-Qāhirah, 3/49.

[34] ابن حزم، المحلیٰ، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۵۲۔ ۹/۴۵۱
Ibn Ḥazam, Al-muḥallā, Idāra Al-Tabā'ah Al-munīria Misar,1352, 9/451.

[35] النور:۳۲۔
Al-Nūr: 32.

[36] معالم التنزیل، ۳/۷۳
Ma'ālim al-Tanzīl, 3/73.

[37] امام شوکانی، فتح القدیر، مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی مصر ۱۳۵۰۔ ۴/۴۱
Imām Shawkānī, Fatḥ-Ul-Qadīr, Maṭba; Muṣṭafā Al-Bābi Al-Ḥalabī Miṣr, 1350, 4/14.

[38] البقرۃ:۲۳۲۔
Al-Baqarah:232.

[39] امام شافعیؒ، الام، باب لا نکاح الا بولی ۵/۱۲
Imām ash-Shāfiʿī, Al-Umm, Bāb Al-Nikāh Al-abewalī, 5/12.

[40] امام طبری، ابو جعفر محمد بن جریر، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، مطبعۃ مصفی البابی الحلبی مصر، ۱۹۶۸۔ ۲/۴۸۸
Imām Ṭabarī, Abū Ja'far Muḥammad bin Jarīr, Jāmiʿ al-bayān ʿan taʾwīl āy al-Qurʾān, Matba Muṣṭafā Al-Bābi Al-Ḥalabī Miṣr,1967, 6/488.

[41] بخاری، محمد بن اسمعیل، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب من قال لا نکاح الا بولی (ح ۵۱۳۰)
Bukhārī, Muḥammad Bin Ismā'il, Al-jāmi' Al-Ṣaḥīḥ, Kitāb-ul-Nikāh, Bāb man Qāla La Nikāh Illa-be walī, (Ḥadīth:5130).

[42] الجامع للاحکام القرآن ۳/۷۲
Al-Jāmi'-Lil-Aḥkam Al-Qur'ān, 3/72.

[43] سبل السلام ۳/۱۱۸
Subul Al-Salām, 3/118.

[44] الاحزاب:۷۳
Al-Aḥzāb: 73.

[45] ترمذی، ابواب النکاح، باب مالا نکاح الا بولی (ح ۱۱۰۱)
Tirmidhī, Abwāb Al-Nikāh, Bāb Mā Lā Nikāh Illa-be walī (Ḥadīth 1101).

46 ناصر الدین البانی، ارواء الغلیل ۶/۲۳۵
Nṣāir Uddīn Albānī, Erwā’ Al-Ghalīl, 6/235.

47 ترمذی، ابواب النکاح، باب مالا نکاح الا بولی(ح ۱۰۰۲)
Tirmidhī, Abwāb Al-Nikāh, Bāb Mā Lā Nikāh Illa-be walī, (Ḥadīth:1002).

48 ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب لا نکاح الا بولی(ح ۱۸۵۰)
Ibn Mājah, Kitāb Al-Nikāh, Bāb La Nikāh Illa-be walī, (Ḥadīth: 1850).

49 البقرۃ:۲۳۴۔
Al-Baqarah: 234.

50 ایضاً :۲۳۰۔
Ibid: 230.

51 ایضاً۔
Ibid.

52 ایضاً:۲۳۲۔
Ibid: 232.

53 مجاہد الاسلام قاسمی، لڑکے اور لڑکیوں کے نکاح کا اختیار، ادارۃ القرآن کراچی، ص ۱۸
Mujāhid-ul-Islam Qāsmī, Larky or Larkion ky Nikāh ka Ikhtiyār, Idāra Al-Qur’ān, Karachi, P:18.

54 النسائی، ابو عبد الرحمٰن احمد ابن شعیب علی ابن نسائی، السنن النسائی، کتاب النکاح، باب البکر لزوجھا، (ح ۳۲۷۱)
Al-Nasā'ī, Abū `Abd ar-Raḥmān Aḥmad ibn Shu`ayb ibn Alī ibn Sīn’ān, As-Sunan Al-Nasā'ī, Kitāb Al-Nikāh, Bāb Al-bikar Li Zawjihā, (Ḥadīth: 3271).

55 فتح القدیر، ۳/۲۵۵۔
Fatḥ-Ul-Qadīr, 3/ 255.

56 بخاری، کتاب النکاح، (۵۱۳۸)
Bukhārī, Kitāb Al-Nikāh, (Ḥadīth: 5138).

57 نسائی، کتاب النکاح، باب البکر لزوجھا (ح ۳۲۷۱)
Nasā'ī, Kitāb Al-Nikāh, Bāb Al-bikar Li Zawjihā, (Ḥadīth: 3271).

58 فتح القدیر ۳/۲۵۵
Fatḥ-Ul-Qadīr, 3/255.

59 ابن حجر عسقلانی، تھذیب ۴/۳۳۳
ibn Ḥajar al-ʿAsqalānī , Shihābud-Dīn Abūl-Faḍl Aḥmad ibn Nūr-ud-Dīn ʿAlī ibn Muḥammad, *Tadhhīb,* 4/333.

60 ایضاً ۱/۲۹۰
Ibid, 1/290.

61 ایضاً ۱۱/۱۱۶
Ibid, 11/116.

62 ایضاً ۱۱/۴۳۳
Ibid, 11/433.

63 تحفہ الاحوذی ۴/۲۲۹

Tuḥfat-ul-aḥwazī, 4/229.

64 لڑکے اور لڑکیوں کے نکاح کا اختیار ص ۲۰،۲۱

Larky or Larkion ky Nikāh ka Ikhtiyār, P:20,21.

65 تحفہ الاحوذی ۴/۲۳۰

Tuḥfat-ul-aḥwazī, 4/230.

66 ابن حجر عسقلانی، تھذیب ۴/۲۲۶۔۲۲۷

ibn Ḥajar al-ʿAsqalānī , *Tadhhīb,* 4/226,227.

67 علامہ ذہبی، میزان الاعتدال ۲/۶۵۹

'Allāma Zahabī, Mīzān Ul Aitidāl, 2/659.

68 لڑکے اور لڑکیوں کے نکاح کا اختیار ص، ۲۱، ۲۲

Larky or Larkion ky Nikāh ka Ikhtiyār, P:21,22.

69 الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ ۲/۲۹۶۔۲۹۷

Al-Dirāyah fī Takhrīj-e-Aḥādīth Al-Hidāyah, 2/296,297.

70 امام سرخسی، المبسوط ۵/۱۰

Imām Sarakhsī, Al-Mabsūṭ, 5/10.

71 بدایۃ المجتہد ۲/۱۲

Bidaya-Tul-Mujtahid, 2/12.

72 PLD1997, Lahore, P301

73 PLD2004, ScP219

74 یوسف صلاح الدین، مفرور لڑکیوں کا نکاح اور ہماری عدالتیں، دارالسلام لاہور، ۱۹۹۰، ص ۱۸، ۱۷

Yūsuf Ṣalāḥuddīn, Mafrūr Larkion ka Nikāh or Hamāri Adālatain, Dar-us-Salām, Lahore,1990,P:17,18.

75 مجاہد الاسلام قاسمی، لڑکے اور لڑکیوں کے نکاح کا اختیار، ادارۃ القرآن کراچی، ص، ۶۲

Mujāhid-ul-Islam Qāsmī, Larky or Larkion ky Nikāh ka Ikhtiyār, Idārah Al-Qur'ān, Karachi, P:62.

76 ایضاً ص ۲۵۲۔۲۶۶

Ibid, P:252,266.

77 البحر الرائق ۳/۱۰۹، بدائع الصنائع ۲/۵۰۴

Al-Baḥr Al-Rā'iq,3/109. / Badāi' Al-Ṣanāi',2/504.

78 انور شاہ کاشمیری، فیض الباری ۲/۲۸۲۔۲۸۷

Anwar Shāh Kāshmīrī, Fayḍ al-Bārī, 2/286,287.

79 لڑکے اور لڑکیوں کے نکاح کا اختیار ص، ۶۰

Larky or Larkion ky Nikāh ka Ikhtiyār,P: 60.

80 مودودی، ابوالاعلیٰ، رسائل ومسائل ۲/۱۵۰

Al-Mawdūdī, Abul A'lā, Rasāil wa Masā'il,2/150.

81 شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، الفیصل ناشران لاہور ۲/۴۰۹

Shāh Walīullah, Ḥujjatullah Al-Bāligha, Al-Fayṣal Nāshirān, Lahore, 2/409.